بریگیڈئیر (ریٹائرڈ) شمس الحق قاضی

تکریم رسالت ﷺ

[بریگیڈیر (ریٹائرڈ) شمس الحق قاضی کی مندرجہ ذیل تحریر توہینِ رسالت کے جس مقدّمے کے پس منظر میں لکھی گئی تھی، وہ توڈرامائی طور پر اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے، مگر توہینِ رسالت سے متعلق قانون کے خلاف مسیحی مذہبی رہنماؤں کی مہم بدستور جاری ہے، بلکہ اس میں شدّت آ گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی توہینِ رسالت کے سانحے بھی موجود ہیں۔ اِس حوالے سے یہ تحریر آج بھی غور و فکر کی متقاضی ہے۔ مدیر]

آج کل توہینِ رسالت کے مذموم واقعہ کے بارہ میں مختلف آراء اخبارات میں چھپ رہی ہیں، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قارئین کی خدمت میں اس کا تاریخی پس منظر پیش کیا جائے۔ اس میں شک نہیں کہ کسی بھی مہذّب معاشرہ میں اختلاف رائے کو بنیادی انسانی حقوق میں شامل کیا جاتا ہے، لیکن دشنام طرازی کسی کا بنیادی حق نہیں ہوسکتا۔ اسلام اگرچہ بت پرستی کی شدید مذمّت کرتا ہے، لیکن بت پرستوں کی دل آزاری کے پیشِ نظر بتوں کو برا کہنے سے منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ دنیا بھر میں دشنام طرازی کو ایک برا فعل اور جرم ہی سمجھا جاتا ہے۔ جہاں تک توہین رسالت جیسے قبیح جرم کی سزا کا تعلق ہے، اس کے لیے ابتدائے اسلام سے ہی جمہور علماء اور فقہاء سزائے موت ہی بتاتے رہے ہیں۔ غالباً دلیل کے طور پر اس کی بنیاد یہ حدیث ہوگی کہ مکہ میں جب مسلمان مظلوم تھے تو پانچ افراد جو حضور ﷺ پر دشنام کرتے تھے، ان کو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے سزائے موت دی تھی۔ اس واقعہ کی تفصیل سیرت ابنِ اسحاق میں آئی ہے اور حافظ ابن کثیر نے بھی سورۃ الحجر کی آیت ۹۵ کی تفسیر میں بیان کیا ہے، اور واضح کیا ہے کہ جب تک اسلام قوّت نہیں پکڑ جاتا، اُس وقت تک توہینِ رسالت کی سزا اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھی تھی جسے وہ فرشتوں کے ذریعے نافذ کرتا تھا۔ اس کے بعد جب اسلام نے مدینہ میں ایک مقتدر ریاست قائم کر لی تو جنگ بدر کے بعد ایک یہودی شاتم رسول، کعب بن اشرف کو حضور ﷺ کے حکم پر ایک صحابی محمدؓ بن مسلمؓ نے واصل جہنم کیا۔ اس کا ذکر بھی سیرت ابن اسحاق میں موجود ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں سابق چیف جسٹس جناب جاوید اقبال کا یہ بیان محلِ نظر ہے کہ توہینِ رسالت کی سزا غیر مسلم کو نہیں دی جاسکتی، کیونکہ سیرت ابن اسحاق میں ان مذکورہ شاتمانِ رسول میں سے ایک بھی مسلمان نہیں تھا۔

بہرحال یہ تو تھیں ابتدائے اسلام میں انفرادی دشمنانِ اسلام کی مثالیں۔ اس کے بعد بعض اوقات دشمنانِ اسلام توہینِ رسالت کو سیاسی تحریک کے طور پر بھی چلاتے رہے ہیں۔ چنانچہ ہمارے اپنے برصغیر میں انیسویں صدی کے شروع میں جب انگریز حکومت کا چل چلاؤ نظر آنے لگا تو ہندوؤں نے رام راج کے قیام کے لیے کئی ایک مسلمان دشمن تحریکیں اور سکیمیں چلائیں۔ مثلاً کانگریس کی مسلمانوں کو پھانسنے کے لیے ماس کنٹکٹ (Mass Contact) تحریک اور تعلیم کو ہندوانے کے لیے ودیا مندر سکیم، چنانچہ اسی سلسلہ میں ہندوؤں کی طرف سے توہینِ رسالت بھی ایک تحریک کے طور پر ابھرتی نظر آتی ہے۔ جب کہ وہی ہندو لیڈر جن کو مسلمانوں نے تحریکِ خلافت کے دوران میں دلّی کی بادشاہی مسجد میں ممبرِ رسول سے خطاب کرنے کا اعزاز دیا تھا، وہی لوگ بعد میں توہینِ رسالت کی راہ پر چل پڑے اور اگر عامتہ المسلمین ان کا راستہ نہ روکتے تو شاید یہ تحریک وبا کی صورت اختیار کر جاتی، جیسا کہ ماضی میں اسلامی ہسپانیہ میں ہو چکا تھا۔ چونکہ اس سلسلہ میں برصغیر کے مسلمانوں کو انگریز حکومت سے انصاف کی توقع نہیں تھی۔ اس لیے انفرادی شیدائیان نبوت نے شاتمانِ رسول کے بارے میں خود ہی شرعی سزا نافذ کی اور ملّتِ اسلام کے غازی کہلائے، چنانچہ انہی میں سے غازی علم الدین شہید کا مزار میانی صاحب لاہور میں مرجع خلائق ہے، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اس سلسلہ میں نفاذِ قانون کو عوام کی بجائے عدالتوں کے ہاتھ میں دینا بہتر ہوتا ہے۔

یہاں پر اسلامی ہسپانیہ میں توہینِ رسالت تحریک کا ذکر مناسب ہوگا۔ خلیفہ قرطبہ عبدالرحمٰن ثانی کی حکومت کے دوران ۸۵۰ء میں قریمہ کے چند ایک متعصّب پادریوں نے توہینِ رسالت کی ایک باقاعدہ سیاسی تحریک چلائی جس کا مقصد عیسائیوں کو اسلامی خلافت کے خلاف بغاوت پر اکسا کر کلیساؤں کے پرانے اقتدار کو بحال کرنا تھا۔ مسلمان مورخین اس شورش کا محض اشارۃً ذکر کرتے ہیں، لیکن دوسری طرف عیسائی مورخین اپنے ریکارڈ کے حوالہ سے اس تحریک کو بڑی تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

اس سلسلہ میں عصر حاضر کا ایک عیسائی مورخ لین پول لکھتا ہے کہ اسلامی اندلس میں عیسائیوں کو جو مذہبی آزادی حاصل تھی، اُس کی وجہ سے پادریوں کے دل سے اسلامی حکومت کا خوف نکل گیا تو اُن میں سے بعض متعصّب پادریوں نے کلیساؤں کا گزشتہ حکومتی اقتدار بحال کرنے کی کوشش شروع کر دی اور اس سلسلہ میں ترغیب و تحریص سے چند غالی نوجوان عیسائیوں میں یہ خیالات و جذبات انگیخت کیے کہ مذہب کی اصل تسکین جسمانی اذیتیں اٹھانے سے ہوتی ہے اور اس طرح روح کو تزکیہ کے ذریعے تقدیس کی معراج تک پہنچا کر آسمانی بادشاہت میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ان نوجوانوں کو تیار کیا گیا کہ مسلمان حکمرانوں کو اشتعال دلا کر جسمانی تکلیفیں حاصل کی جائیں۔ لین پول کا بیان ہے کہ اُس تحریک کے بانی قرطبہ کے پادری یولوجیس نے چند نوجوان فدائی شاتمِ رسول تیار کیے تاکہ حکومت ان پر مقدّمہ چلا کر انہیں سزائے موت دے تو اُن کو مذہبی شہیدوں کا درجہ دے کر عیسائی عوام کو اسلامی حکومت

کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا جائے۔ ان فدائیوں کے سرغنہ پادری یولوجیس کی تحویل میں ایک حسین و جمیل دوشیزہ فلورا تھی جس کا باپ تو مسلمان تھا، مگر ماں عیسائی تھی۔ چنانچہ باپ کی غفلت کی وجہ سے ماں کی تربیّت نے اسے ارتداد پر آمادہ کیا اور بالاخر باپ کے مرنے کے بعد فلورا عیسائیت اختیار کر کے پادری یولوجیس کی تحویل میں چلی گئی اور اس کی انگیخت پر فلورا نے تحریک توہینِ نبوت کی لیڈری سنبھال لی۔ اس واقعہ میں ان حضرات کے لیے عبرت کا نشان ہے جو عیسائی عورتوں سے شادی کر کے اولاد کی اسلامی تربیّت میں غفلت کرتے ہیں۔

بہرحال یہ عیسائی فدائی قاضی کی عدالت میں جا کر شتمِ رسول کرتے اور اس طرح تحریک کا پہلا نشانہ ایک نوجوان پادری پر فیکشن نامی بنا۔ عدالت سے سزائے موت کے بعد یولوجیس نے اُس کی لاش کو عیسائی تبّرکات اور بہت زیادہ تکریم کے ساتھ کیتھڈرل یعنی بڑے گرجے میں دفن کیا (واضح رہے کہ عیسائی اکابرین کو تکریم کے لیے بڑے گرجوں میں دفن کیا جاتا تھا) اور ساتھ ہی پادریوں نے اسے سینٹ کا درجہ دے دیا، چنانچہ اس کے بعد کئی ایک عیسائی نوجوانوں نے از خود قاضی کے پاس پیش ہو کر شتمِ رسول کا ارتکاب کیا اور موت کی سزا پائی۔ لین پول کا قول ہے کہ ۸۵۱ء میں صرف قرطبہ میں گیارہ عیسائی شاتمانِ رسول نے اسی طرح از خود سزائے موت حاصل کی، لیکن اسی دوران میانہ رو اور منصف مزاج پادریوں اور عیسائی عوام نے تحریک کی مخالفت شروع کر دی جس کی وجہ سے اشبیلیہ (آجکل سویلا) کے لاٹ پادری نے پادریوں کی گرینڈ کونسل بلائی، اور اس اجلاس نے بالاتفاق تحریک کو ناروا قرار دیا اور اعلان کیا کہ عیسائی مذہبی نقطہ نظر سے خود کشی کسی صورت بھی جائز نہیں اور انجیلِ مقدس کی تعلیم کے مطابق بدزبانی کرنے سے آسمانی بادشاہت میں داخل نہیں ہوں گے، چنانچہ جمہور پادریوں کے اس اعلان کے بعد اسلامی اندلس میں توہینِ نبوت کی یہ تحریک ختم ہو گئی۔

یہاں پر قابلِ غور بات یہ ہے کہ خلیفہ عبدالرحمٰن ثانی نے عدالتوں کے کام میں دخل اندازی نہیں کی، جبکہ عدالتوں کو تو اپنا کام کرنے دیا اور دوسری طرف حکومتی ایجنسیوں کے ذریعہ سے اس مذموم تحریک کا منبع تلاش کیا اور پھر اس کو سیاسی عوامل سے ختم کیا۔ اس میں موجودہ حکمرانوں کے لیے ایک قابل تقلید سبق ہے۔ حکومت کو دیکھنا چاہیے کہ سالہا سال سے ہم لوگ مسلمان اور عیسائی یہاں پاکستان میں بھائیوں کی طرح رہ رہے ہیں اور کبھی ایک دوسرے کے خلاف شکایت نہیں ہوئی تو پھر کیا وجہ ہے کہ جب مسلمانوں کی اندرونی فرقہ بازی نے بدقسمتی سے زور پکڑا تو اچانک ہی بعض عیسائیوں کی طرف سے توہینِ نبوت کا ایک نیا فتنہ پھوٹ پڑا۔ حکومت کو یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ یہ کوئی انفرادی واقعہ ہے یا اس کے پیچھے بھی کسی یولوجیس کا ہاتھ ہے۔ اور کیا وجہ ہے کہ امریکی اور دوسرے مغربی سفارت کار اور ذرائع ابلاغ اس واقعہ اور مقدّمہ میں خاص دلچسپی لے رہے ہیں، جبکہ اُنہوں نے ایسے دوسرے واقعات اور بالخصوص سیاسی مقدّمات میں بھی اتنی گہری دلچسپی نہیں لی۔ حکومت کو اس سلسلہ میں لبرل عیسائی رہنماؤں کی کوآپریشن بھی حاصل کرنی چاہیے۔ (روزنامہ "نوائے وقت" لاہور - ۱۰ مارچ ۱۹۹۵ء)